مربی و داعی

کی صفات اور ذمہ داریاں

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان (شعبہ تربیت)

رہبر معظم انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمیٰ

سید علی خامنہ ای (حفظہ اللہ) نے فرمایا:

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اساتذہ، انبیاءؑ کا کام انجام دیتے ہیں؛ اس بات کو گہری نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اِس بات کا مطلب کیا ہے؟

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

''وہ انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' (سورہ جمعہ: ۲)

انبیاءؑ کا کام بشریت کو نجات دینا اور ایک اعلیٰ انسانی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ تعلیم دینا فی الواقع انبیاءؑ کا پیشہ ہے۔

آپ اساتذہ کو دینی و اخلاقی تربیت اور اپنے شاگردوں کی اخلاقی اقدار کو نکھارنے والا ہونا چاہیے اور بھول نہ جائیں کہ تربیت کرنا آپ کا فریضہ ہے اور آپ کو چاہیے کہ اپنی روحی و معنوی تاثیر سے اپنے شاگردوں کے دلوں کو منور کریں۔

المہدیؑ ادارۂ تربیت اسلامی

آئی ایس او پاکستان

مربی وداعی

کی صفات اور ذمہ داریاں

المہدی (عج) ادارہ تربیت اسلامی آئی ایس او پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

دعائے امام زمانہؑ

اَللّٰھُمَّ کُنْ لِوَلِیِّکَ الْحُجَّةِ بْنِ الْحَسَنِ

صَلَوَاتُکَ عَلَیْهِ وَعَلٰی آبَائِهٖ فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ

وَفِیْ کُلِّ سَاعَةٍ وَلِیًّا وَحَافِظًا وَقَائِدًا وَنَاصِرًا وَ

دَلِیْلًا وَعَیْنًا حَتّٰی تُسْکِنَهٗ اَرْضَکَ طَوْعًا وَ

تُمَتِّعَهٗ فِیْهَا طَوِیْلًا

فہرست

مقدمہ	۵
مربی وداعی کی صفات	۸
۱۔ ایمان ویقین محکم	۸
۲۔ اخلاص (خدا کیلئے کام کرنا)	۱۱
۳۔ علم پر عمل	۱۳
۴۔ اجر کی امید اللہ سے رکھنا	۱۴
۵۔ مایوسی سے اجتناب	۱۵
۶۔ تواضع وانکساری	۱۶
۵۔ صبر وبردباری	۱۷
۸۔ دلسوزی وہدایت کی تڑپ	۲۰
۹۔ حسن اخلاق	۲۲
(i) خندہ پیشانی سے پیش آنا	۲۳
(ii) عفوو بخشش	۲۳
(iii) نرم دلی ومحبت سے پیش آنا	۲۴
۱۰۔ لوگوں سے میل جول	۲۵
۱۱۔ پروٹوکول کی دیواریں	۲۶
۱۲۔ بلند ہمت ہونا	۲۶
۱۳۔ انتقاد پذیری	۲۶
مربی کی ذمہ داریاں	۲۷
ایک سوال: دعوت دین کا ذمہ دار کون؟	۲۷
ابلاغ حق	۲۸
مساجد کی طرف راغب کرنا	۲۹
تعلقاتِ عامہ	۲۹
کلاسوں اور پروگراموں کا انعقاد	۳۰
داعی یا مربی کی دعوت کی روشیں	۳۰
حکیمانہ اسلوب	۳۰
گفتگو کو پرکشش بنانا	۳۲
سوال	۳۲
داستان	۳۳
لطیفہ وپہیلی	۳۳
تشویق وترغیب	۳۳
کھیل کود	۳۳
خلاصہ کلام	۳۴

مقدمہ

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔

''یقیناً خدا نے صاحبانِ ایمان پر احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو ان پر آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتا ہے انہیں پاکیزہ بناتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ یہ لوگ پہلے سے بڑی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔'' (آل عمران: ۱۶۴)

خداوند تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے۔ اور فضیلت اور برتری کی بنیادی وجہ وہ صلاحیت واستعدادِ رشد وتکامل ہے جو خداوند تعالیٰ نے انسان کو ودیعت کی ہے یعنی انسان کمال وترقی کی راہوں کو طے کرسکتا ہے۔ انسان کو اس راہ پر چلنے اور کمال انسانی کا سفر طے کرنے میں ہدایت و رہبری کی ضرورت ہوتی ہے یعنی کوئی ہو جو اس کے لئے مربی (تربیت کرنے والے) کا کردار ادا کرے اور اسے اپنی منزل تک پہنچانے میں اس کا معاون و مددگار ہو خداوند تعالیٰ نے اس ذمہ داری کو اپنے برگزیدہ اور انتخاب شدہ بندوں پر ڈالا ہے اور رسالت وہدایت کی ذمہ داری ان کو سونپی ہے کہ وہ انسان کو خدواند تعالیٰ کی راہ پر چلنا سکھائیں۔ اسی مقصد کے لئے خداوند متعال نے اپنے رسول بھیجے اور ان کے بھیجنے کا ہدف ومقصد بھی بیان فرمایا دیا جس طرح مندرجہ بالا آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا کہ یہ خداوند تعالیٰ کا احسان وکرم ولطف ہے کہ اس نے انسان کی ہدایت کے لئے انہیں میں سے رسول بھیجا جس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

اولاً: وہ لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچائے۔۔۔ یَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

ثانیاً: ان کے نفوس کو پاکیزہ کرے یعنی ان کی تربیت کرے۔۔۔ وَيُزَكِّيهِمْ

ثالثاً: انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔۔۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

یہ الٰہی ذمہ داری انبیاء کو سونپی گئی اور انبیاء کے ذریعے اپنا پیغام اور قانون و آئین کہ جو انسانیت کے کمال کے لئے ضروری تھا وہ پہنچایا اس کے ساتھ ساتھ انبیاء کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ قانون الٰہی پر عمل کروائیں اور اس میں موجود حکمت وعلم کی باتوں کو لوگوں کے لئے کھول کر بیان کریں تا کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوسکیں اور اپنے نفوس کو پاکیزہ بنا کر انسانیت کی راہوں کو طے کر سکیں۔

سلسلہ انبیاء کے ختم ہونے پر خداوند تعالیٰ نے اپنی مصلحت وحکمت کے تحت کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ دین کامل، یہ قانون کامل کہیں ناقص نہ ہوجائے اس میں تحریف نہ ہوجائے یہ کسی نااہل کے ہاتھ لگ کر تباہ وبرباد نہ ہوجائے۔اور انسانی معاشرہ اس پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔لہٰذا خداوند متعال نے امامت ورہبری کی ذمہ داری کے لئے امامت کے سلسلے کو شروع کیا جو علی ابن ابی طالبؑ سے شروع ہوکر امام عصر حضرت مہدیؑ تک ختم ہوتا ہے۔آئمہ علیھم السلام نے بحثیت مربی انسانیت کو راستے پر گامزن رکھنے کے لئے جدوجہد کی،قربانیاں دیں،تکلیفیں اور مشکلات برداشت کیں۔اسی طرح آئمہ علیھم السلام کے دور میں اور اس کے بعد معصومینؑ کے علاوہ بھی کچھ بندگان صالح الٰہی ایسے تھے جنہوں نے آئمہ کی سیرت کو اپنی زندگیوں میں اپنا کر معاشرہ سازی میں اپنا کردار ادا کیا۔جس میں سب سے بڑی مثال شہداء کربلا کی دی جاسکتی ہے جن میں جناب عباسؑ جیسی عظیم ہستی کے علاوہ جناب علی اکبرؑ جناب قاسمؑ،حبیب ابن مظاہرؓ،جناب حرؓ ودیگر عظیم شخصیات موجود تھیں۔ان شہداء نے آنے والی نسلوں کے لئے شہداء کربلا کے علاوہ بھی انسانی کمال تک پہنچے کے راستے کا تعین کر دیا۔تاریخ اسلام میں صلحاء،شہداء،علماء،فقہاء اور بندگان خدا ایسے گذرے ہیں جن کی سیرت وکردار ہمارے لئے عملی نمونہ ہے ان کی زندگی میں موجود ایسی خصوصیات وفضیلتیں پائی جاتی

تھیں کہ جو انسان کی تربیت میں معاون اور مددگار ہو سکتیں ہیں۔ ان کا بیان ہونا بہت ضروری ہے تا کہ ہم ان کو اپنا کر معاشرہ سازی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

المہدی (عج) ادارہ تربیت اسلامی آئی ایس او پاکستان، نے اپنے مربیین کی تیاری کے لیے اس مقالہ کو تالیف کیا ہے تا کہ وہ اپن فریضہ تربیت وتبلیغ کو بہتر انداز میں انجام دے سکیں اور معاشرہ میں رہتے ہوئے عام انسانوں خصوصا نوجوان نسل کے لیے ایک اچھے مربی کا کردار ادا کر سکیں۔

المہدی (عج) ادارہ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان

مربی وداعی کی صفات

اس مقالہ میں مربی کی صفات سے مراد وہ صفات وخصوصیات میں جن کا ایسے افراد کے اندر ہونا بہت ضروری ہے جو معاشرے میں بحیثیت مربی و داعی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں مثلاً مبلغین اسلام ،مختلف دینی تنظیموں اداروں کے مسئولین اور وہ افراد جو کسی نہ کسی طرح انسانی تربیت میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ایک مربی کے لیے عام لوگوں کی نسبت زیادہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی اوصاف، دینی واخلاقی آداب سے متصف ہو کیونکہ داعی اور مربی کا باعمل ہونا دعوت وتربیت کے موثر ہونے میں فیصلہ کن کردار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اگر آیات وروایات اور نصائح علماء کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو ایک لمبی فہرست کی صورت میں ہمارے پاس مبلغ کے اوصاف جمع ہوجاتے ہیں کہ تبلیغ سے قبل ایک مبلغ کا ان سے متصف ہونا ناگزیر ہے تاکہ اس عظیم کام کے اجر کا مستحق قرار پائے۔ان میں سے چند ایک خصوصیات ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں

۱۔ ایمان ویقین محکم:

مربی کی صفات میں سے اہم ترین صفت ایمان ویقین ہے اور ایمان سے مراد یہ ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی ذات انبیاءؑ، اوصیاء و دیگر دینی ضروریات پر ایمان کے ساتھ ساتھ اپنے کام کی اہمیت اور الٰہی مدد ونصرت پر بھی یقین رکھتا ہو۔اور اسی طرح جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس پر بھی ایمان اور یقین رکھتا ہو،آیت اللہ فاضل لنکرانی فرماتے ہیں کہ:

سب سے اہم مبلغ کا ایمان اور یقین ہے، ایک مبلغ ، عالم اور خطیب کو چاہئے کہ جو کچھ وہ

بیان کرتے ہیں اس پر خود ان کو یقین ہو اور اس پر ایمان رکھتے ہوں، اگر لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں تو خود ان کا اس بارے میں یقین محکم ہو۔

اگر قیامت کے بارے میں لوگوں کو بتاتے ہیں، تو وہ خود اس بارے میں یقین محکم رکھتے ہوں، اگر وہ لوگوں کو نیکی اور اچھی صفات کی طرف دعوت دیتے ہیں تو وہ خود اس پر عمل کرنے والے ہوں۔

اس ایمان ویقین کے ساتھ اگر وہ راہ خدا میں لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کرے تو خداوند تعالیٰ بھی ایسے افراد کی نصرت و مدد فرماتا ہے جیسے کہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ

''اگر تم خدا کی مدد و نصرت کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں اس راہ میں ثابت قدم رکھے گا۔''(سورہ محمد آیہ 7)

ایمان ویقین کی اہمیت کے بارے میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إنّ الإيمانَ أفضَلُ من الإسلامِ ، وإنّ اليَقينَ أفضَلُ مِن الإيمانِ ، وما مِن شيءٍ أعَزُّ مِن اليَقينِ

''ایمان اسلام سے برتر ہے (کیونکہ اسلام فقط ظاہری اقرار ہے درحالانکہ ایمان قلبی تصدیق کا نام ہے) اور یقین ایمان سے بھی افضل ہے (کیونکہ ایمان کا عالی ترین درجہ یقین ہے) اور کوئی شی یقین سے افضل و بہتر نہیں ہے۔''(الکافی:2/51/1)

علامہ اقبالؒ کے بقول:

یقین محکم عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی کی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

لہٰذا جو شخص یقین کی اس منزل پر فائز ہوگا وہ اپنے کام سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے گا جس طرح قریش مکہ نے جناب ابوطالبؑ سے شکایت کی کہ اپنے بھتیجے کو روکیں وہ ہمارے آباؤاجداد کے دین

ورسم کے مدمقابل نیا دین لے کر آیا ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے ہم اس کو وہ سب دینے کے لئے تیار ہیں لیکن وہ نبوت سے ہاتھ اٹھا لے۔ جب جناب ابو طالبؑ نے قریش مکہ کا پیغام رسول خداؐ تک پہنچایا تو آپؐ نے نہایت یقین سے جواب دیا چچا جان اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دیں تو پھر بھی میں اپنے پیغام سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

امام حسینؑ کو بہت سے لوگوں نے مدینہ سے نکلتے وقت مشورہ دیا کہ آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ سے نہ نکلیں یزید آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا لیکن حسینؑ کا اپنے مؤقف اور ارادہ پر اتنا یقین تھا کہ امامؑ نے یہی جواب دیا کہ مجھے دین اسلام کو بچانا ہے اور فاسق وفاجر کہ جو منکر وحی و رسالت ہے اور اپنی فاسقانہ سوچ اور عمل کے ذریعے دین کو نابود کر رہا ہے اس کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کرنا ہے چاہے اس راہ میں مجھے اپنے بچوں کو کیوں نہ قربان کرنا پڑے۔

امام خمینیؒ کو جب ایران سے ملک بدر کر دیا گیا آپ ترکی، ترکی سے نجف (عراق) اور عراق سے بھی عراقی حکومت نے حیلے بہانے بنا کر آپ کو نکالنا چاہا تو کسی نے امام سے سوال کیا کہ اگر کوئی ملک بھی آپ کو رکھنے پر تیار نہ ہوا تو آپ کیا کریں گے۔

امام خمینیؒ نے فرمایا: ''میں کشتی میں سوار ہو کر سمندروں کا سفر کرتا رہوں گا اور وہیں سے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں گا، یہاں تک مجھے کامیابی ملے اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنے ہدف میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

امام خمینیؒ کے یہ جملات امام کے یقین واطمینان کی منزل کو بیان کرتے ہیں۔

اسی طرح شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کا یہ جملہ کہ:

''حق کی شناخت کے بعد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا حق کی توہین ہے۔''

آپ کے ایمان ویقین کی گہرائیوں کو بیان کرتا ہے کہ جب انسان حق کی شناخت کر لے اور یقین کی منزل کو پالے تو وہ انسان اپنے ہدف کو حاصل کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

۲۔ اخلاص (خدا کیلئے کام کرنا)

مربی کی دوسری اہم صفت یہ ہے کہ اس کا ہر کام خدا کے لئے ہو وہ جو کام بھی انجام دے اس کا ہدف ومقصد خالصتاً خدا کی ذات کی رضا وخوشنودی ہو نہ نمود ونمائش، نہ مقام ومرتبہ نہ عزت ومال نہ ہی دنیاوی منصب اور عہدوں کا لالچ بلکہ ہر کام خدا کیلئے کرے۔

جیسا کہ رسول خداؐ کا ارشاد ہے کہ:

إذا عَمِلْتَ عَمَلاً فاعْمَلْ للهِ خالِصا ؛ لأنَّهُ لا يَقْبَلُ مِن عِبادِهِ الأعْمالَ إلاّ ما كانَ خالِصا ۔

''جب تم کوئی عمل کرنا چاہو تو خالصتاً اللہ کے لئے انجام دو کیونکہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال میں خالص عمل کے علاوہ کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔'' (بحار: ج30،ص 77)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی ایک ضرورت مند مسلمان کو حضرت زہراء (س) کے در اقدس پر لے آئے لیکن یہاں صورتحال یہ تھی کہ حضرت زہراء (س) کے گھر میں اپنے بچوں کے لئے بھی کھانا نہ تھا۔ آپ نے اپنا ایک پیراہن دیا اور کہا کہ اس لباس کو گروی رکھ کر ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرو۔ حضرت سلیمان وہ پیراہن لے گئے گروی رکھ کر کچھ کھجوریں اور جو خرید کر لائے اور جناب سیدہ (س) سے عرض کی کہ بی بی آپ بھی اس میں سے تھوڑی سی غذا اپنے بچوں کے لئے رکھ لیں اور باقی ضرورت مند کو دے دیں۔

لیکن سیدہ (س) نے فرمایا:

يا سلمان هذا شيئ وامضيناه الله عزوجل لسنا ناخذ منه

''اے سلمان یہ ایسی چیز ہے کہ جس کو ہم نے اللہ کی راہ میں دے دیا ہے اب ہم اس میں سے کوئی چیز اپنے لئے نہیں رکھ سکتے۔''

حضرت زہراء (س) کے عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ جو چیز خدا کے لئے خدا کی راہ میں کسی کو عطا کر دی اس شی میں سے حتی ضرورت کے مطابق بھی لینا پسند نہیں فرمایا۔

جوشخص اپنے وجود میں خلوص نیت کو جگہ دیتا ہے اس کی زبان اور اس کے اعمال میں خداوند تعالیٰ دوسروں کے لئے اثر رکھ دیتا ہے کیونکہ خود معصومؑ کی زبان مبارک سے اخلاص کا اثر اس طرح بیان ہوا ہے۔

مَا أَخْلَصَ عَبْدٌ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ أَرْبَعِينَ صَبَاحاً إِلاَّ جَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ.

''جوشخص چالیس دن خدا کے لئے کام انجام دیتا ہے (گزارتا ہے) تو اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری ہوجاتے ہیں۔'' (عیون أخبار الرضا علیہا لسلام، جلد ۲، صفحہ ۶۹)

حقیقی مربی وہی کہلانے کا حق دار ہے جس کا قول وفعل لوگوں کے لئے رہنمائی اور ہدایت کا باعث بن سکے لہٰذا اگر وہ معصومؑ کے بتائے ہوئے اس نسخے پر عمل پیرا ہو تو زندگی میں وہ انسانوں کی رہنمائی کا باعث بن سکتا ہے۔ جس طرح شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی سے کس نے سوال کیا تھا یہ امام خمینیؒ جو کچھ زبان سے نکالتے ہیں لوگ اس پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے تو ڈاکٹر شہید نے فرمایا: ''تم نے معصومؑ کی اس حدیث کو نہیں سنا کہ ''مومن کا دل خدا کا گھر ہے کسی غیر خدا کو اس گھر میں جگہ نہ دو'' امام خمینیؒ نے اپنے قلب میں سوائے خدا کے کسی کو جگہ نہیں دی اب وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اس قلب سے زبان پر جاری ہوا ہے جس میں خدا کی ذات کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے لہٰذا وہ کلمات جو زبان خمینیؒ پر جاری ہوتے ہیں وہ ہر کسی پر اثر رکھتے ہیں۔

یہ مقام کس طرح امام خمینیؒ کو حاصل ہوا اخلاص کی وجہ سے، کیونکہ خمینیؒ کی نظر میں جو چیز سب سے زیادہ مہم تھی وہ خدا کی ذات تھی آپ نے جو سوچا، جو کہا، جو کیا سب خدا کے لئے تھا۔

اس کی واضح مثال اس وقت سامنے آئی جب امام خمینیؒ پیرس سے ایران آئے اور عوام کے سمندر نے امام خمینیؒ کا تاریخی استقبال کیا ان کو بہشت زہراء (س) لایا گیا جہاں پر امام خمینیؒ نے لوگوں سے خطاب کیا اس وقت مناظر کیا تھے۔

لاکھوں کا مجمع ''درود بر خمینیؒ''، سلام بر خمینیؒ کی صداؤں سے گونج رہا تھا ان تاریخی لمحات کے گزرنے کے بعد کسی نے امام خمینیؒ سے سوال کیا کہ اگر یہ سب لوگ جو کہ درود بر خمینیؒ و سلام بر خمینیؒ کے نعرے لگا رہے ہیں یہ اکٹھے ہو کر یک زبان ہو کر خدانخواستہ ''مرگ بر خمینیؒ'' کہنا شروع کر دیں تو آپ کو کیسا لگے گا۔

امام خمینیؒ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا اگر یہ سب مل کر مرگ بر خمینیؒ بھی کہنا شروع کر دیں تو میری ذات پر کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ میرا کام خدا کے لئے ہے اور میں اس کو جاری رکھوں گا اور مجھے یقین ہے کہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ تنظیمی عہد داراں سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: عہدہ فقط وسیلہ ہے، تنظیم، فقط وسیلہ ہے، عمل خدا کے لئے ہونا چاہیے ہدف صرف خداوند تعالیٰ کی ذات ہونی چاہیے لوگوں کو خدا کیلئے خدا کی طرف لانا ہدف ہے۔

۳۔ علم پر عمل

مربی کیلئے یہ بات از حد ضروری ہے' کہ وہ جس چیز کی تبلیغ کر رہا ہے یا سکھا رہا ہے اس پر خود عمل پیرا بھی ہو۔ لوگوں کو سنت سے تمسک کی تبلیغ کرنا اور خود سنت سے دور رہنا' لوگوں کو نماز کی تلقین کرنا اور خود نماز کو بروقت ادا نہ کرنا' لوگوں کو شب زندہ داری کی تلقین کرنا اور خود شب زندہ داری سے دور رہنا' تربیت کے عمل کو نہ صرف غیر مؤثر بنا دیتا ہے بلکہ یہ اس کیلئے وبال بن جائیگا۔ کئی مرتبہ گھنٹوں کی تبلیغ کے مقابلے پر انسان کا ایک چھوٹا سا عمل ہی دیکھنے والے کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس حوالے سے مختلف مقامات پر بڑی خوبصورت نصیحتیں فرمائیں ہیں۔ ایک جگہ فرمایا:

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَ تَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔

''کیا تم (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب (اللہ) کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟'' (بقرہ 44)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔

''اے ایمان والو! تم وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔'' (سورہ صف 2و3)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ جمعہ میں یہود کے بے عمل علماء کو گدھے کے مشابہ قرار دیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

''ان کی مثال جن پر توریت کا بوجھ ڈال دیا گیا پھر انہوں نے اس بوجھ کو نہیں اٹھایا، اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، بہت بری ہے ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلا دیا اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا۔'' (سورہ جمعہ 5)

۴۔ اجر کی امید اللہ سے رکھنا

مبلغ کو اجر کی امید اللہ تبارک وتعالیٰ سے رکھنی چاہیے۔ سورہ شعراء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوحؑ ''حضرت ہودؑ'' حضرت صالحؑ' حضرت شعیبؑ کا ذکر کیا کہ ان تمام انبیاء نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی دعوت دینے کے بعد اجر کی امید صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات سے وابستہ کیے رکھی۔ قرآن کریم میں یہ آیت پانچ انبیاء کی زبان مبارک سے پانچ مرتبہ تکرار ہوئی

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

''اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب

ہے۔'' (سورہ شعرا آیات:۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰)

اگر مبلغ دنیا میں اجر کی امید لوگوں سے رکھے گا' تو اس کی حوصلہ شکنی ہوگی اور دعوت کے کام میں خلوص بھی باقی نہیں رہے گا' جبکہ اجر کی امید اللہ تبارک وتعالیٰ سے رکھنے کی صورت میں دنیا میں حوصلہ شکنی یا مناسب حوصلہ افزائی نہ ہونے کی صورت میں بھی مبلغ ناامید نہیں ہوگا، چونکہ اس کا اجر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں محفوظ ہے۔

۵۔ مایوسی سے اجتناب

ہر مبلغ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تبلیغ ظاہری اعتبار سے نتیجہ خیز ہو اور لوگ اس کی دعوت کو سن کر متاثر ہوں اور اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کریں' مگر کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ داعی مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ جس کے نتیجے میں کئی مرتبہ اس پر مایوسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ انسان کی لوگوں سے وابستہ توقعات ہیں کہ جو انسان کو مایوسی کی دلدل میں لے جاتی ہیں اگر انسان اپنی امیدیں صرف اللہ سے ہی وابستہ کرے تو ان سب کی نوبت ہی نہ آئے۔

مربی کو اپنے دعوتی عمل اور تربیت کے نتیجے میں مایوسی کو اپنے قریب نہیں آنے دینا چاہیے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کیلئے کی جانے والی کوششوں کو ہر صورت جاری رکھنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ یسٰین میں ان نبیوں کا ذکر کیا' جن کی قوموں نے ان کی تکذیب کی' لیکن انہوں نے دعوتی عمل کو جاری وساری رکھا۔ قیامت کے دن بہت سے انبیاء چھوٹی جماعتوں کے ساتھ جب کہ بعض دو افراد کے ساتھ' بعض ایک فرد اور بعض اکیلے ہی اٹھائے جائیں گے۔ مبلغ کو بھی اپنی تبلیغ کے ظاہری نتائج سے بے پرواہ ہوکر دین کی تبلیغ کے عمل کو جاری وساری رکھنا چاہیے اور اگر اس کی تبلیغ کو سن کر لوگ قائل نہیں بھی ہوتے' تو اس وجہ سے تبلیغ دین کے مثبت کام کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن اولی العزم نبی حضرت نوحؑ کے بارے میں فرماتا ہے کہ انہوں نے 950 سال تبلیغ کی اور مایوس نہیں ہوئے قرآن سورہ عنکبوت میں فرماتا ہے:

وَلَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوۡمِهِۦ فَلَبِثَ فِيهِمۡ أَلۡفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمۡسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ ٱلطُّوفَانُ وَهُمۡ ظَٰلِمُونَ

''اور بتحقیق ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان کے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے، پھر طوفان نے انہیں اس حال میں اپنی گرفت میں لیا کہ وہ ظلم کا ارتکاب کر رہے تھے۔''(عنکبوت 14)

بنابراین ایک مربی کو انبیاءؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ثابت قدم رہنا چاہیے۔

۶۔ تواضع وانکساری:

مربی کی ایک اور اہم صفت تواضع، انکساری اور عاجزی ہے۔تواضع خود پسندی اور تکبر کی ضد ہے۔تکبر وخود پسندی بندگان خدا کی نہیں بلکہ بندگان شیطان کی صفت ہے کیونکہ شیطان ملعون کے لئے تکبر ہی خدا کی بارگاہ سے دھتکارے جانے کا باعث بنا۔لہٰذا انسان متکبر وخود پسند کسی کی تربیت کا باعث نہیں بن سکتا کیونکہ عبد خدا ہی ہے جو لوگوں کو خدا کے راستے کی ہدایت کر سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمن کی صفت بیان کرتے ہوئے سورہ فرقان میں تواضع وانکساری کو پہلی صفت کے طور پر بیان کیا ہے اور فرمایا:

وَعِبَادُ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلَّذِينَ يَمۡشُونَ عَلَى ٱلۡأَرۡضِ هَوۡنًا

''عباد الرحمن وہ لوگ ہیں جو زمین پر عاجزی وانکساری سے چلتے ہیں۔(متکبرین کی طرح زمین پر اکڑ کے نہیں چلتے)''(سورہ فرقان: آیت 63)

اسی طرح سیرت پیغمبر اسلامؐ میں بھی ملتا ہے کہ آنحضرت عالم امکان کی عظیم ترین ہستی ہونے کے باوجود اپنے اصحاب کے ساتھ اس طرح بیٹھتے تھے کہ باہر سے آنے والے افراد نہیں پہچان سکتے تھے کہ ان میں سے محمد رسول اللہؐ کون ہیں۔اس طرح آئمہ علیھم السلام کے بارے میں ہے کہ وہ اکثر غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔

اس طرح اولی العزم پیغمبر حضرت موسیٰؑ کو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''اے موسیٰ ہم نے تمہیں نبوت و رسالت سے اس لئے نوازا ہے کہ تم متواضع ہو۔ یعنی اگر تواضع وانکساری تم میں نہ ہوتی تو تمہیں رسالت کی ذمہ داری نہ دی جاتی۔'' (اصولِ کافی: ج ۲، ص ۱۲۳)

لہٰذا انسان سازی کی ذمہ داری، انسان کی ہدایت کی ذمہ داری اس شخص کو عطا کی جاسکتی ہے جو متواضع ہو نہ متکبر۔ اسی طرح سیرت علماء و فقہاء میں تواضع و عاجزی کا عنصر بڑا واضح نظر آتا ہے۔ مقدس اردبیلی اپنے زمانے کے فقیہ تھے۔ ایک دفعہ ایک سفر میں قافلے کے ساتھ جارہے تھے تو کسی مومن نے جو آپ کو نہیں پہچانتا تھا آپ کو کہا کہ میرا کرتہ دھودو۔ آپ نے بغیر کسی عکس العمل کے بڑے پیار محبت سے اس کا کرتہ دھودیا۔ جب اس بندہ مومن کو بتایا گیا کہ جس سے تم لباس دھلوا رہے ہو کون ہے تو وہ شخص بڑا شرمندہ ہوا اور آپ سے معذرت کرنے لگا لیکن آپ نے اس کو یہ کہہ کر مطمئن کردیا کہ مومن کا مومن پر یہ حق ہے کہ اس کی مدد کرے لہٰذا میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا فقط اپنا حق ادا کیا ہے۔

اسی طرح امام خمینیؒ انقلاب کی کامیابی کے بعد جس گھر میں مقیم تھے وہ ایک مختصر سا قدیمی مکان تھا باہر سے آنے والے دوسروں ملکوں کے وزیر و سفیر یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے کہ کئی سو سالہ استعماری شہنشاہیت کا تختہ الٹنے والا ایک سادہ سا عالم دین اس مختصر سے گھر میں رہ کر کس طرح اتنا بڑا انقلاب لے آیا۔ اسی طرح آج بھی انقلاب اسلامی کی کشتی کے ملاح اور رہبر معظم انقلاب آیۃ اللہ خامنہ ای دامت برکاتہ کی زندگی کا مشاہدہ کیا جائے تو انتہائی سادہ اور عاجزانہ زندگی نظر آتی ہے۔ گھر میں مختصر سے امکانات کے ساتھ مختصر سے ماحول میں زندگی گزارنا ہمیشہ رہبران دینی کا شیوہ رہا ہے اور یہ ایک مربی کے لئے جس نے معاشرے کی ہدایت کرنا ہو انتہائی ضروری ہے۔

۷۔ صبر و بردباری:

مربی کی ایک صفت کو جو راہ خدا میں کام کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے وہ صبر و بردباری

ہے کیونکہ راہ خدا میں کام کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا، ایک ایسا کٹھن اور مشکل راستہ ہے کہ جس کو طے کرنا صبر اور بردباری و استقامت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ انبیاء اور رسل کی حیات مبارکہ ہی ہمارے لیے نمونہ عمل ہے۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حوالے سے غیر معمولی کردار کا مظاہرہ کیا۔ حضرت نوحؑ ساڑے نوسو برس تک اپنی بستی کے لوگوں کی مخالفت اور دیوانہ اور مجنون کہلوانے کے باوجود بھی دعوت دین کے راستے پر پورے وجود سے کاربند رہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے قوم اور وقت کے حکمران کی مخالفت کو مول لیا اور جلتی ہوئی آگ میں اترنا گوارہ کیا، لیکن تبلیغ دین سے دستبردار نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ نے وقت کے با اثر ترین لوگوں کا مقابلہ کیا۔ آپؑ نے فرعون کی فرعونیت، قارون کے سرمائے، شداد کی جاگیر اور ہامان کے منصب کو خاطر میں لائے بغیر تبلیغِ دین کے عظیم کام کو جاری وساری رکھا۔ اور اس راہ میں مشکلات پر صبر کرنے کو قرآن مجید نے دوسری نیکیوں اور کار خیر کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔

جس طرح سورۂ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے:

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (سورہ بقرہ: آیت: 177)

”نیکی فقط یہ نہیں ہے کہ تم مشرق ومغرب کی طرف منہ کر کے عبادت کرو بلکہ نیکی یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔۔۔۔ اور اللہ کی راہ میں مشکلات ومصیبتوں پر صبر کرنے والے بنو۔“

راہ خدا میں سختیوں پر صبر کرنے کو اس آیۃ میں نیکی سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر آیۃ سے معلوم

ہے کہ اس کو باقی نیکیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ احادیث معصومؑ میں صبر کو رأس الایمان قرار دیا گیا ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الصَّبرُ مِنَ الإِيمانِ بِمَنزِلَةِ الرَّأسِ مِنَ الجَسَدِ، فَإِذا ذَهَبَ الرَّأسُ ذَهَبَ الجَسَدُ، كَذٰلِكَ إِذا ذَهَبَ الصَّبرُ ذَهَبَ الإِيمانُ

''صبر کا تعلق ایمان کے ساتھ اسی طرح ہے جس طرح سر کا جسم کے ساتھ کہ جب سر کو کاٹ دیا جاتا ہے تو بدن بھی ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جب صبر نہ رہے تو ایمان بھی ختم ہو جاتا ہے۔'' (الکافی: ج2 ص87 ح2)

اس خوبصورت حدیث میں صبر کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سر کی حیثیت جسم کے لئے سب جانتے ہیں کہ سر کے بغیر جسم باقی نہیں رہ سکتا اسی طرح صبر کے بغیر ایمان کا وجود ناگزیر ہو جاتا ہے۔

پیغمبر گرامیؐ اسلام کی ذات صبر و بردباری کا بہترین نمونہ ہے کتنی مشکلات برداشت کرنا پڑیں۔ رسول خداؐ کو اپنے دور نبوت میں کتنی جسمانی اذیتیں دی گئیں، پتھر مارے گئے، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے آپ کو اپنے خاندان کے ساتھ ایک عرصہ شعب ابی طالب میں وقت گزارنا پڑا آپ کا اقتصادی بائیکاٹ کیا گیا۔ معنوی طور پر آپ کو مجنون کہا گیا، شاعر اور جادوگر ہونے کی تہمتیں لگائیں گئیں۔ یہاں تک کہ احد میں دندان مبارک کو شہید کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کے لبوں پر یہ دعا رہی کہ:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

''اے خدا میری قوم کی ہدایت فرما کیونکہ یہ (میرے پیغام کی اہمیت کو یا مجھے) نہیں جانتے''

اس طرح دیگر انبیاءؑ بھی اپنی اقوام کے ظلم و ستم کے شکار رہے حضرت نوحؑ جنہوں نے طویل عرصہ تبلیغ کی قوم نے آپ کو بہت زیادہ تکلیفیں دیں حتی یہاں تک کہ چند دفعہ آپ کو مار کر پھینک گئے کہ آپ مر چکے ہیں لیکن نوحؑ نے استقامت دکھائی اور صبر سے کام لیتے ہوئے اللہ کا پیغام

پہنچاتے رہے۔

امام علیؑ اور حضرت زہرا(س) نے رسول خداؐ کی رحلت کے بعد امت کے ہاتھوں سخت تکلیفوں کو برداشت کیا حتی یہاں تک آپ کے دراقدس کو آگ لگائی گئی 25 سال علیؑ صبر سے کام لیتے رہے تا کہ امت کی ہدایت و رہبری کی ذمہ داری کو ادا کیا جا سکے۔ امام حسینؑ کی ذات نے کربلا کے میدان میں اپنے بچوں اور مخدرات عصمت و طہارت کے ساتھ سخت مشکلات کو برداشت کیا جناب عباسؑ، علی اکبرؑ و قاسمؑ اور دیگر اعوان و انصار کی لاشوں کو اپنے ہاتھوں سے اٹھایا اور آخر دم تک امامؑ کی یہ کوشش رہی کہ کسی طرح اس قوم کی ہدایت ہو سکے آپ کی شہادت کے بعد آپ کی مکرمہ بہن حضرت زینبؑ نے صبر و استقامت کی مثال قائم کر دی کربلا میں اپنے عزیزوں کی شہادت اور حتی اپنی چادر تک چھن جانے کی باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ کربلا کی اس شیر دل خاتون نے اسیر بن کر کوفہ و شام کے بازاروں کا سفر کیا۔ جب آپ کو کوفہ میں ابن زیاد(لعین) کے دربار لایا گیا اس ملعون نے آپ کو مخاطب کرتے ہوتے کہا: دیکھا خدا نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا کیا۔

تو جناب زینب (س) نے ایسا جواب دیا جو تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا گیا اور آپ کے صابر و شاکر ہونے کا بہترین نمونہ ہے فرمایا: ''ما رایت الا جمیلاً''، ''میں نے خدا کی ذات سے حسن و خیر کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا'' یہ کربلا والے ہی تھے جنہوں نے صبر و بردباری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ظلم کے خلاف انسانیت کو ایسی راہ دکھائی جس کا اثر چودہ سو سال سے دنیا دیکھ رہی ہے کہ جہاں کہیں بھی یزیدی کردار سر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے حسینیؑ و زینبیؑ کردار ظلم کے خلاف آواز بن کر سامنے آجاتا ہے۔

۸۔ دلسوزی و ہدایت کی تڑپ

مربی کی ایک اور صفت دلسوزی ہے یعنی مربی کے اندر تحت تربیت افراد کے لئے تڑپ ہو، عشق ہو، یعنی اس کا ہم و غم یہ ہو کہ میں نے افراد کی تربیت کرنا ہے اپنا ہدف و مقصد کسی اور چیز کو

نہ بنائے۔ رسول اکرمؐ کی ذات کے بارے میں قرآن مجید نے آپ کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (سورہ توبہ: آیت 164)

''بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا ہے تمہیں تکلیف میں دیکھنا اس پر سخت گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں اور مومنین کے لئے نہایت شفیق و مہربان ہے۔''

خداوند تعالیٰ کی ذات نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ رسولؐ کی ذات تمہاری ہدایت کے لئے فکر مند ہے اس کو تکلیف ہوتی ہے جب تم ضلالت و گمراہی کے راستے پر چلتے ہو۔

ایک مقام پر حضور اکرمؐ کی اپنی امت کی ہدایت و رہبری کے بارے میں قلبی حالت کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا

''پس اگر یہ لوگ اس (قرآنی) مضمون پر ایمان نہ لائے تو ان کی وجہ سے شاید آپ اس رنج میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔'' (سورہ: کھف: آیت 6)

یعنی پیغمبر اسلامؐ اپنی امت کی ہدایت کے لئے اس قدر تڑپ و عشق رکھتے ہیں کہ قرآن مجید فرما رہا کہ ہمیں خطرہ ہے اے رسول کہ کہیں اس دکھ و غم میں کہ یہ لوگ قرآن پر عمل پیرا کیوں نہیں ہوتے ایمان کیوں نہیں لاتے آپ اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ سیرت پیغمبر اسلامؐ سے بھی یہی ملتا ہے کہ آپ اپنے دشمن سے بھی ایسا رویہ رکھتے تھے جس کی مثال کم ہی ملتی ہے جیسا کہ معروف ہے کہ ایک یہودی عورت جو آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتی تھی جب مریض ہو جاتی ہے تو آپ اس کے گھر اس کی تیمارداری کے لئے چلے جاتے ہیں اور اس کی ہدایت کا باعث بنتے ہیں۔

اس طرح امام حسینؑ کا آخری وقت تک فوج اشقیاء کو ہدایت کی طرف دعوت دینا اس بات کا آئینہ دار ہے کہ امامؑ اپنے بھائیوں کے قاتل، اپنی اولاد کے قاتلوں کو ہدایت کی طرف دعوت دے

رہے ہیں تا کہ شاید یہ لوگ سیدھے راستے پر آجائیں حتیٰ آخر دم تک جب شمر ملعون آپ کے سینہ اقدس پر آپ کو قتل کرنے کے لئے سوار ہے اس وقت بھی آپ اپنا تعارف کروا رہے ہیں، کیا شمر حسینؑ ابن علیؑ کو نہیں جانتا تھا؟ کیوں نہیں لیکن امام کا اس آخر وقت میں تعارف کروانے کا ہدف یہ تھا کہ شاید یہ اب بھی ہدایت کے راستے پر لوٹ آئے۔ لہٰذا مربی کے اندر یہ صفت ہونی چاہیے کہ وہ تربیت پانے والے کی تربیت کے معاملہ میں تڑپ رکھتا ہو اس کو عشق ہو اس کام سے کہ اس نے ہدایت انسانیت کا باعث بننا ہے۔

۹۔ حسن اخلاق

مربی کی ایک صفت جو نہایت درجہ اہمیت کی حامل ہے وہ اس کا حسن اخلاق یعنی خوش اخلاقی ہے کہ جس کو پیغمبر اسلامؐ نے اپنی بعثت کا ہدف اور مقصد قرار دیا ہے اور فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ ٱلْأَخْلَاقِ (مکارم الاخلاق، جلد ۱، صفحہ ۸)

''بے شک میں اخلاقی اقدار اور خوبیوں کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔''

اور قرآن مجید نے بھی پیغمبر اکرمؐ کے اخلاق کے بارے میں اس طرح فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (سورہ القلم: آیت 4)

''بے شک آپ خلق عظیم (عظیم اخلاق) کی منزل پر فائز ہیں۔''

اس طرح حسن اخلاق کی اہمیت کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ کی حدیث ہے کہ:

ما مِن شيءٍ أثقَلُ في الميزانِ مِن حُسنِ الخُلقِ۔

''حسن اخلاق سے بڑھ کر میزان میں وزنی ترین چیز کوئی اور نہیں ہوگی۔''

(بحار الانوار: جلد ۶۸، صفحہ ۳۸۳)

تاریخ میں ہے رسول خداؐ نے اپنے صحابی معاذ کے جنازے میں ننگے پاؤں شرکت کی اس کو دفن کیا دفن کے بعد اس کی قبر پر ہاتھ رکھ کر دعا کی۔ اس کی ماں نے کہا کہ:

هَنيئاً لَكَ الجَنَّةُ ''جنت تمہیں مبارک ہو''

تو رسول خدا نے فرمایا: آپ نے کس طرح یہ کہ دیا ہے درحالانکہ ابھی اس پر فشارِ قبر ہوا ہے کیونکہ یہ اپنے گھر والوں کے کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش نہیں آتا تھا۔

حسن اخلاق میں مختلف امور کی رعایت کرنا ضروری ہوتا ہے:

(i) خندہ پیشانی سے پیش آنا:

خندہ پیشانی سے پیش آنے والے افراد جلد لوگوں کو اپنی طرف جذب کر سکتے ہیں اور بحیثیت مربی اپنا رول بہتر انداز میں ادا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ روایات میں بھی ہے کہ:

الْبَشاشَةُ حِبالَةُ الْمَوَدَّةِ

''خندہ پیشانی مودت ومحبت کی رسی ہے۔''

پیغمبر اسلام کے بارے میں روایات میں ملتا ہے کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

كانَ رَسولُ اللّهِ صلى الله عليه و آله إذا حَدَّثَ بِحَديثٍ تَبَسَّمَ فى حَديثِهِ (مکارم الاخلاق: ج1 ص58 ح46)

''جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے بات کرتے تھے تو آپ کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔''

اور یہ انداز، دوستی ومحبت کا زینہ ہے اگر مربی اپنے تحت تربیت افراد سے کھلے چہرے اور خندہ پیشانی کے ساتھ بات کرے تو اس کی بات زیادہ اثر رکھتی ہے۔

(ii) عفو وبخشش:

دوسروں کو معاف کر دینا مومن کی علامات میں سے ہے۔ لہٰذا ایک مربی کو چاہیے افراد کی خطاؤں کو معاف کرے اور یہی معافی انسان کی تبدیلی اور ہدایت کا باعث بن جاتی ہے۔ ہر بات پر ری ایکشن دکھانا انتہائی مضر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ امام سجادؑ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر آپ کی شان میں گستاخی کرنا شروع کر دی اور آپ کو نعوذ باللہ برا بھلا کہا۔ صحابیوں نے اس کو پکڑ کر سزا دینے کی کوشش کی لیکن امام نے منع فرمایا۔ یہ شخص اپنے گھر واپس چلا گیا۔ امام اپنے اصحاب کے ساتھ اس کے گھر کی طرف چل دیئے اور چلنے

وقت اس آیۃ مجیدہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔''

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

''(مومن وہ ہیں) جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔'' (سورہ آل عمران: آیت 134)

اس کے گھر پہنچے دروازہ کھٹکھٹایا یہ شخص باہر آیا تو امامؑ کو اپنے صحابہ کے ساتھ دیکھ کر ڈر گیا اور سوچا کہ امامؑ مجھ سے انتقام لینے آئے ہیں۔ لیکن امامؑ نے اس کو فرمایا کہ دیکھو بھائی! جو کچھ تم نے میرے بارے میں کہا ہے اگر وہ مجھ میں ہے تو خدا مجھے معاف کرے اور اگر مجھ میں نہیں ہے تو خدا آپ کو معاف فرمائے۔

یہ سننا تھا کہ یہ شخص امامؑ کے قدموں پر گر پڑا اور معافی مانگ لی اور کہا کہ آپ کی ذات اس سے پاک ہے اور راہ راست پر آ گیا۔ امامؑ کی اس روش نے ایک انسان کی زندگی بدل دی اور حق کی تلاش اور حق کے راستے پر آنے میں امامؑ نے اس کی مدد فرمائی۔ (الارشاد، ص ۲۵۷)

(iii) نرم دلی ومحبت سے پیش آنا:

محبت ایک ایسا قیمتی سرمایہ ہے کہ جس سے انسان دلوں کو تسخیر کر سکتا ہے۔ ایک مربی کا مہربان، نرم دل اور محبت کرنے والا ہونا بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ رسول گرامی اسلامؐ کے بارے میں خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (سورہ آل عمران: آیت 159)

''اے رسول: یہ رحمت الٰہی ہے کہ آپ ان کے لئے نرم مزاج واقع ہوئے اور اگر آپ تندخو اور تنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے منتشر ہو جاتے۔''

یعنی رسول خداؐ کی نرم دلی محبت اور مہربانی ہی تھی کہ عرب کے عجیب اور سنگدل معاشرے کو تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے ورنہ بہت مشکل کام تھا۔

لہٰذا مربی کے لئے نرم، دل، مہربان اور عفو و بخشش کرنے والا، خندہ پیشانی سے پیش آنے والا، دوسروں کو شخصیت اور احترام عطا کرنے والا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ انسانی معاشرے میں تبدیلی لانا بہت سخت ہے۔

۱۰۔ لوگوں سے میل جول

لوگوں سے میل جول رکھنا اور خود ان کے پاس چل کر جانا اور انہیں دعوت اسلام دینا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسم حج میں بالخصوص اور عام دنوں میں بھی مکہ مکرمہ میں آنے والے عرب وفود سے ملاقاتیں کرتے اور ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کرتے تھے کیونکہ دینی دعوت کی مثال باران رحمت جیسی ہے جو ہر جگہ دوست اور دشمن پر برستی ہے۔

قال الإمام علی (علیہ السلام) واصفاً رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم):

طَبِيْبٌ دَوَّارٌ بِطِبِّهٖ، قَدْ اَحْكَمَ مَرَاهِمَهٗ، وَ اَحْمٰى مَوَاسِمَهٗ، يَضَعُ مِنْ ذٰلِكَ حَيْثُ الْحَاجَةُ اِلَيْهِ، مِنْ قُلُوْبٍ عُمْيٍ، وَ اٰذَانٍ صُمٍّ، وَ اَلْسِنَةٍ بُكْمٍ، مُتَتَبِّعٌ بِدَوَآئِهٖ مَوَاضِعَ الْغَفْلَةِ، وَ مَوَاطِنَ الْحَيْرَةِ.

امام علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف اس طرح بیان کرتے ہیں:

”وہ ایک طبیب تھے جو اپنی حکمت وطب کو لئے ہوئے چکر لگا رہا ہو، اس نے اپنے مرہم ٹھیک ٹھاک کر لئے ہوں اور داغنے کے آلات تپا لئے ہوں، وہ اندھے دلوں، بہرے کانوں، گونگی زبانوں (کے علاج معالجہ) میں جہاں ضرورت ہوتی ہے، ان چیزوں کو استعمال میں لاتا ہو اور دوا لئے غفلت زدہ اور حیرانی و پریشانی کے مارے ہوؤں کی کھوج میں لگا رہتا ہو۔“

(نہج البلاغہ: خطبہ:۱۰۶)

۱۱۔ پروٹوکول کی دیواریں

پروٹوکول کی دیواریں کھڑی کرنا اور عوام کی دسترس سے باہر ہو جانا ان کے لیے ملاقات کا طریقہ مشکل بنا دینا ایک داعی حق کے لیے مناسب نہ ہوگا کیونکہ لوگوں کو جسمانی غذا سے زیادہ روحانی غذا کی ضرورت ہوتی ہے لہذا مبلغ دین کو اس اہم معاملے کا ادراک کرتے ہوئے اپنے آپ کو عوام کے لیے نرم خو اور ان کے قریب تر کرنا چاہیے۔

۱۲۔ بلند ہمت ہونا

ایک داعی کے شایان شان ہے کہ وہ بلند ہمت، متحرک اور نہ تھکنے والا ہو اور اپنے آپ کو امت کی خیر خواہی کا ذمہ دار سمجھے۔ اعلیٰ اہداف کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد جاری رکھے اس ضمن میں حد درجہ حریص ہونا ایک داعی حق کا طرہ امتیاز ہوتا ہے کیونکہ مومن خیر اور بھلائی سے کبھی بھی سیر نہیں ہوتا۔ رحمن کے پاکیزہ بندوں کی شان قرآن میں یوں بیان کی گئی ہے:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

''اور جو دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری ازواج اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔'' (سورہ فرقان آیہ ۷۴)

۱۳۔ انتقاد پذیری

جن صفات وخصوصیات کا ایک مربی و داعی میں ہونا ضروری ہے ان میں سے ایک انتقاد پذیری ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ آپ ایک اجتماعی کام انجام دیں (خواہ اچھا ہو یا برا) اور معاشرے کے کچھ افراد اس پر تنقید نہ کریں۔ لہذا اپنے اندر حوصلہ اور برداشت کا مادہ پیدا کریں دوسروں کی تنقید سے دلبرداشتہ نہ ہوں قرآن فرماتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار مکہ نے شاعر و مجنون تک کہا

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ (صافات:36)

''اور کہتے تھے: کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟''

اس کے جواب میں خداوند متعال نے سورہ طور میں فرمایا

فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ (طور آیہ:29)

''لہٰذا آپ نصیحت کرتے جائیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔''

اس میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ اور نصیحت کا کام کرتے رہیں اور یہ آپ کی بابت جو کچھ کہتے رہتے ہیں، ان کی طرف کان نہ دھریں، اس لئے کہ آپ اللہ کے فضل سے کاہن ہیں نہ دیوانہ (جیسا کہ یہ کہتے ہیں) بلکہ آپ پر باقاعدہ ہماری طرف سے وحی آتی ہے جو کہ کاہن پر نہیں آتی آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں وہ دانش و بصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے ایک دیوانے سے اس طرح گفتگو کیوں کر ممکن ہے۔

البتہ تنقید دو طرح کی ہوتی ہے تنقید منفی تنقید مثبت۔ تنقید منفی یا تنقید برای تنقید کے مقابلے میں مربی یا داعی کو تحمل و برداشت سے کام لینا چاہیے اور ساری توجہ اپنے فریضہ تبلیغ پر مرکوز رکھنی چاہیے جیسا کہ پروردگار نے سورہ طور آیہ 29 میں اپنے رسول کو نصیحت کی ہے۔ لیکن بسا اوقات ایک درد دل رکھنے والا انسان مثبت تنقید کرتا ہے اس کی تنقید برای تنقید نہیں بلکہ تنقید برای اصلاح ہوتی ہے تو ایسی صورت میں ہمیں اس کی تنقید کو غور سے سننا چاہیے اور اپنے عمل اور روش کی اصلاح کرنی چاہیے۔

مربی یا داعی کی ذمہ داریاں

اس سے پہلے کہ ہم مربی کی صفات کو بیان کریں ایک اہم سوال کا جواب دینا ضروری ہے وہ یہ کہ:

دعوت دین کا ذمہ دار کون؟

دعوت دین کی ذمہ داری ہر مسلمان مرد اور عورت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں سے لوگوں کو روکے۔ اتنی تبلیغ کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ داعی دینی علوم پر مکمل عبور رکھتا ہو۔ البتہ ایسے شخص کو دین کی جزئیات پر بحث نہیں کرنی چاہیے اور نہ ان کی طرف دعوت پیش کرنی چاہیے تا کہ یہ اپنی لاعلمیت کی بنا پر غلط بات نہ کہہ دے کہ جس پر عمل کرنے سے

دوسرے لوگ گمراہ ہو جائیں اور اس کا وبال بھی اسی کے سر پر ہو۔ بلکہ یہ علماء کرام کے منصب کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے وسیع علم اور ایمانی بصیرت کی بنیاد پر دینی مسائل کی جزئیات کو بیان کریں اور دشمنان اسلام کی حرکات کو بھی بیان کریں۔ غلو پسندوں کے مبالغہ کا رد کریں۔ ذیل میں ہم ایک مربی وداعی کی چند ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ابلاغ حق

ایک مربی، داعی یا عالم کو ہر صورت میں حق کا ابلاغ کرنا چاہیے۔ ایسے لوگ' جو حق کو چھپاتے ہیں اور لوگوں کے استفسار کے باوجود ان کو آگاہ نہیں کرتے' ایسے لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر سخت انداز میں تنبیہ کی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 159' 160 میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ

''جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم کتاب میں انہیں لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر چکے ہیں، تو ایسے لوگوں پر اللہ اور دیگر لعنت کرنے والے سب لعنت کرتے ہیں۔'' (بقرہ:۱۵۹)

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (بقرہ:۱۶۰)

''البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں اور (جو چھپاتے تھے اسے) بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا اور میں تو بڑا توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت 174 میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا

يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (بقرۃ:۱۷۴)

''جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض میں حقیر قیمت حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ بس اپنے پیٹ آتش سے بھر رہے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ایسے لوگوں سے بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

مساجد کی طرف راغب کرنا

ایک مربی وداعی کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک جوانوں اور بچوں کو مساجد کی طرف اور خصوصا نماز جماعت کی طرف راغب کرنا ہے چونکہ مساجد کہ جنہین اسلام کا قلعہ کہا گیا ہے اور جو نشر معارف کا مرکز ہیں اگر ہمارے معاشرے کے افراد بچپن اور لڑکپن ہی سے مسجد کی طرف راغب ہو جائیں تو وہ بڑے ہو کر دین شناس و دیندار بنیں گے اور معاشر میں موجود بہت سی برائیوں سے بچے رہیں گے۔ اگر انسان بچپن یا اول جوانی سے مسجد کی طرف راغب نہ ہوتو عام طور پر بڑا ہو کر مسجد کی طرف نہیں آتا۔

تعلقات عامہ

ایک اچھے مربی وداعی کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ اپنے علاقہ میں موجود ہر عمر کے افراد مثلا بچوں نوجوانوں جوانوں بڑوں اور بزرگوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے ان کی سطح فکری، معلومات کی سطح ،فکری اور علمی احتیاجات سے آشنا ہو۔اسی طرح علاقہ میں موجود علما و ذاکرین ،سابقین، مخیر حضرات ومؤثر افراد سے رابطہ میں ہونا چاہیے اوران کے مزاج وطبیعتوں سے بھی آشنا ہوتا کہ بوقت ضرورت ان سے ان کی صلاحیتوں کے مطابق مناسب انداز میں استفادہ کیا جاسکے۔ ایک مربی کا خصوصا اپنے علاقہ کے پیش نماز کے ساتھ اچھا رابطہ ہونا چاہیے تا کہ ان کی صلاحیتوں سے تعلیمات اسلامی کی نشر واشاعت میں بخوبی استفادہ کیا جاسکے۔اسی طرح مسجد کی انتظامیہ سے روابط ہونے چاہئیں تا کہ دین کی خدمت کے لیے مسجد کے وسائل سے بروقت مناسب استفادہ ہو سکے۔

کلاسوں اور پروگراموں کا انعقاد

ایک داعی و مربی کو چاہیے کہ وہ اپنے علاقہ میں مختلف مناسبتوں پر مجالس ومحافل کا انعقاد کرائے (مثلاً آئمہ معصومین کی ولادت وشہادت پر و۔۔۔) اور اس کے لیے مناسب ہے کہ عام طور پر مساجد و امام بارگاہوں میں ایسے پروگرام رکھے جائیں لیکن کبھی کبھار بعض پروگرامات جیسے قرآن خوانی، محفل دعای کمیل وغیرہ۔۔۔ مختلف جگہوں پر یا مومنین کی گھروں میں رکھی جائیں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان پروگراموں سے مرتبط ہوں اور سب کی دلچسپی کا باعث ہو۔

اسی طرح ایک مربی کو اپنے علاقہ میں باقاعدہ طور پر مختلف کلاسوں کا اجرا کروانا چاہیے جیسا کہ قرآن کی کلاس، فقہی احکام کی کلاس، کمپیوٹر، ورزش کی کلاسیں وغیرہ اسی طرح ٹیوشن سنٹر کا قیام کرنا چاہیے۔

مربی یا داعی کی دعوت کی روشیں

حکیمانہ اسلوب

علم ودانائی کی ایسی بات جو مخاطب کے عقل وفہم وشعور کے مطابق یعنی اس کی سطح فکری کے مطابق ہو حکمت کہلاتی ہے۔ دعوت دین یا گفتگو کا ایسا اسلوب کہ جس میں مخاطب کے عقل وشعور کو ملحوظ خاطر رکھا جائے حکیمانہ سلوب کہلاتا ہے۔ دعوت دین کا کام حکیمانہ اسلوب کے ساتھ انجام دینا چاہیے اور اس حوالے سے ایسی نصیحت کرنی چاہیے، جو سننے والے کے دل پر مؤثر ہو۔ لہذا ہر عمر کے افراد یا تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد سے ایک ہی انداز میں بات کرنا حکیمانہ اسلوب نہیں کہلاتا ہے اسی وجہ سے مربی کی ذمہ داریوں میں سے ایک، ہر عمر کے افراد و مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلقات اور ان کی صلاحیتوں سے آشنا ہونا قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ نحل کی آیت نمبر 125 میں ارشاد فرماتا ہے:

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ

بِالْمُهْتَدِينَ (نحل:۱۲۵)

''(اے رسول) حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کی راہ کی طرف دعوت دیں اور ان سے بہتر انداز میں بحث کریں، یقینا آپ کا رب بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔''

اس آیت مقدسہ میں دعوتِ دین کے تین بنیادی اصول و روشیں بیان ہوئی ہیں: حکمت، موعظہ حسنہ اور مجادلہ بطریقِ احسن۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ داعی اسلام کی حیثیت سے کیا جائے تو یہ بات بڑی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو ادا کرتے وقت ان اصولوں سے ذرا برابر بھی انحراف نہیں کیا۔ ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوسکتا ہے۔ اگر اس کے پیش کیے ہوئے دلائل ناکافی، کمزور اور غیر عاقلانہ ہوں گے، اگر اس کا اندازِ خطابت کرخت اور معاندانہ ہوگا، تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کردے گا۔ کیونکہ اسلام کی نشر واشاعت کا انحصار صرف وصرف تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر واکراہ سے کام لیا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو جس وقت فرعون کے پاس روانہ کیا تو انہیں حکم دیا:

''پس تم دونوں اس سے نرم بات کہو شاید وہ نصیحت پکڑ لے یا ڈر جائے۔''

رسول اللہ ص اور آئمہ معصومین ع نے ہمیشہ مخاطبین کی ذہنی استعداد، میلانات، رجحانات اور ان کے خاندانی وعلاقائی پسِ منظر کو سامنے رکھ کر دعوت کا کام کیا ہے۔

امام صادق (ع) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں

مَا كَلَّمَ رَسُولُ اَللَّهِ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ اَلْعِبَادَ بِكُنْهِ عَقْلِهِ قَطُّ وَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ إِنَّا مَعَاشِرَ اَلْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُكَلِّمَ

اَلنَّاسَ عَلَی قَدْرِ عُقُولِهِمْ ۔ (الکافی، جلد ا، صفحہ ۲۳)

پیغمبر اسلام ص نے کبھی بھی اپنی کنہ عقل (سطح عقل) کے مطابق گفتگو نہیں کی بلکہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ص فرماتے تھے کہ ہم گروہ انبیا کو حکم ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی سطح عقلی کے مطابق گفتگو کریں۔

حیات طیبہ پیغمبر اسلام و آئمہ معصومین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی متعین طریقِ دعوت نہ تھا بلکہ مخاطبینِ دعوت کے تبدیل ہونے کے ساتھ ہی آپ ع کا اسلوبِ دعوت بھی تبدیل ہوجاتا تھا۔ایک جاہل، ان پڑھ اور اجڈ مخاطب کو دعوت دینے کا انداز پڑھے لکھے اور شہر کے رہنے والے افرد سے مختلف ہوتا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی زندگی کا مطالعہ ہر داعی اسلام کے لیے اس حوالے سے دلچسپ بھی ہے اور قابلِ تقلید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ مخاطب کی صلاحیت کو پیشِ نظر رکھ کر اس کو دعوت پیش کی۔یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے بعد لوگ مطمئن ہو کر واپس جاتے تھے۔

گفتگو کو پر کشش بنانا

مربی کو چاہیے کہ اپنی گفتگو میں خصوصا بچوں کے لیے جاذبیت پیدا کرے۔اپنی گفتگو کو پرکشش اور جاذب بنانے کے لیے مختلف روشوں کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔مثلاً

سوال کرنا:

اپنی گفتگو کا آغاز سوال کے ذریعے کریں جیسے امام مہدی ع کی عالمی حکومت کیسی ہوگی؟

خدا نے قوم موسی کو فرعون سے کیسے نجات دی؟

واجبات نماز کون کون سے ہیں؟

پروردگار نے ہمیں کون کون سی نعمتیں دی ہیں؟۔۔۔۔

داستان بیان کرنا:

اپنی گفتگو میں اپنے موضوع سے مربوط نصیحت آموز داستان وکہانیاں بیان کریں اور اپنی بات کو کہانی کی صورت میں سمجھائیں۔قرآن نے بھی اس روش سے استفادہ کیا ہے اور بہت سی نصیحت آموز باتوں کو داستان کی شکل میں سمجھایا ہے۔داستوانوں کے لیے ہم داستانوں کی مختلف کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں جیسا کہ قرآنی داستانیں،تاریخی داستانیں یا سچی داستانوں کے موضوع پر مختلف علمانے کتابیں تالیف کی ہیں۔

لطیفہ سنانا و پہیلی ڈالنا:

خصوصا بچوں کی کلاس میں جب آپ محسوس کریں کہ سامعین بوریت محسوس کر رہے ہیں یا گفتگو دلچسپی سے نہیں سن رہے تو آپ کوئی مناسب سا لطیفہ سنا سکتے ہیں یا بچوں سے کوئی پہیلی پوچھیں اس سے ان کی ساری توجہ آپ کی طرف ہوجاے گی اور ان کی تھکن بھی دور ہوجائے گی۔

تشویق وترغیب

کلاسوں میں جذابیت رکھنے کے لیے مختلف چیزوں پر نمبر دیں،مثلاسوال کا جواب دینے پر بروقت شرکت پر کلاس میں توجہ رکھنے پر و۔۔۔نمبر دیے جائیں اوراسی طرح کلاسوں کے آخر پر زیادہ نمبر حاصل کرنے والوں کومناسب انعامات سی نوازاجائے۔اسی طرح ہر کلاس کے اختتام پر امتحانات کا سلسلہ رکھا جائے اور اچھی پوزیشن حاصل کرنے والوں کو اچھے انعامات سے نوازا جائے اور بہت مناسب ہے کہ انعامات کا تعین کلاسوں کے آغاز میں ہی کردیا جائے۔

کھیل کود

کلاس کو یکسانیت و بوریت سے بچانے کے لے کلاس میں ہی بچوں سے اچھل کود یا کوئی گیم کروائی جاسکتی ہے یا ایک مختصرسی ریس لگوائی جاسکتی ہے۔

خلاصہ کلام

مربی اور داعی کو تبلیغ اور دعوت الی اللہ میں مخاطب کی سطح کے مطابق ہم کلام ہونا ہے، اور اس کو اپنی بات سمجھانے اور متاثر کرنے کے لئے اپنے اندر جامعیت پیدا کرنی چاہیے تاکہ دوسرے لوگ اس کو دیکھ کر اس کی بات پر توجہ دیں، اور اس پر عمل کریں، اور معاشرے میں بہتری لائی جاسکے۔ قرآن نے نفرت، برا بھلا کہنے اور تکفیر کے ذریعے دعوت کی نفی کرتے ہوئے ایسی دعوت دینے کا حکم دیا جس میں انسیت اور جاذبیت کے عناصر موجود ہوں۔ زبان میں شیرنی و نرمی ہو اور کلام میں شائستگی اور برجستگی ہو۔ دعوت الی اللہ کی تشہیر و کامیابی کا راز قرآن مجید کے فلسفہ دعوت پر موقوف ہے جو اسلوب دعوت اور روش ہمیں کلام مقدس نے مختلف طریقوں سے بتائی ہیں، ہر مبلغ اسلام انہیں قرآنی طریقوں سے تربیتی و دعوتی عمل کو جاری رکھے تاکہ ایک معتبر اور موثر مربی و داعی اسلام بن سکے۔

مذکورہ بالا ذمہ داریوں اور خصوصیات کو مدنظر رکھ کر ایک داعی کامیابی سے دعوت کے عمل کو جاری رکھ سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دعوت دین کا کام اچھے طریقے سے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❁❁❁❁❁